© rasailojaraid.com

محمد اسحاق بھٹی

سیّد صباح الدین عبدالرحمن

علامہ شبلی نعمانی برصغیر کے ممتاز مصنف اور نامور محقق تھے ۔ سیرت نگاری ، تاریخ نویسی ، اسلامی علوم وفنون ادب و شعر اور نقد و جرح میں ان کا مقام بڑا بلند تھا ۔ انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا اور تحقیق و کاوش کی جس وادی میں قدم رکھا اس کے تمام گوشے چھان مارے ۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اہل علم کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو تصنیف و تالیف اور مختلف موضوعات میں درک و انہماک کو اپنا مستقل مشغلہ بنا لے اور اپنے شب و روز اس کام کے لیے وقف کر دے ۔ اس کے لیے ان کے نزدیک ایک بہت بڑا کتب خانہ نہایت ضروری تھا ، جس سے مصنفین استفادہ کرسکیں ۔ وہ چاہتے تھے کہ برصغیر میں اصحابِ تصنیف کا ایک ایسا "گوشۂ عافیت" ہو ، جس کا شہروں کی ہنگامہ خیزیوں اور بازاروں کی شور انگیزیوں سے کوئی تعلق نہ ہو ۔ وہ ان سے دور صرف علمی کاموں میں مصروف رہیں ۔ ندوۃ العلما کے سالانہ جلسہ منعقدہ مارچ ۱۹۱۰ء میں یہ تجویز انھوں نے شرح و بسط کے ساتھ پیش کی تھی ۔

ابتدا میں ان کا خیال تھا کہ یہ " گوشہ عافیت " دارالعلوم ندوۃ العلما (لکھنؤ) کے قریب کہیں قائم کیا جائے ، لیکن اس کے بعد ارادہ بدل دیا اور اس کے لیے اپنے وطن اعظم گڑھ کو ترجیح دی اور سارھ ایکڑ پر پھیلا ہوا اپنا ذاتی باغ اور اس میں تعمیر شدہ مکان دارالمصنفین کیلئے وقف کر دیا ۔

دارالمصنفین کے لیے جو خاکہ انھوں نے مرتب کیا اور جن خطوط پر اسے چلانا چاہا ، اسکی ضروریشدس مولانا ابو الکلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزاد نے ۱۱ ، فروری ۱۹۱۴ء کے الہلال میں شائع کیں ۔ ۱۲، اگست ۱۹۱۴ء کو باغ کا رقبہ دارالمصنفین کے حوالے کر دیا گیا اور ۱۸ ، نومبر ۱۹۱۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا ۔ انتقال سے تین دن بعد ۲۱ ، نومبر کو علامہ شبلی کے مخلص دوستوں اور ایثار پیشہ شاگردوں نے علامہ کی مجوزہ سکیم کے مطابق دارالمصنفین کو ہر صورت میں چلانے کا فیصلہ کیا۔ سید سلیمان ندوی جو اس زمانے میں پونا کالج میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے تھے ، ملازمت چھوڑ کر اعظم گڑھ آگئے۔ مولانا مسعود علی ندوی نے انتظامی امور کی باگ ڈور ہاتھ میں لی اور مولانا عبدالسلام ندوی نے جو ان دنوں مولانا آزاد کے ساتھ " الہلال " میں کام کر رہے تھے ، کلکتے سے اعظم گڑھ کا عزم کیا اور اپنی علمی و تصنیفی خدمات دارالمصنفین کے سپرد کر دیں ۔ ۱۹۱۵ء میں دارالمصنفین کی تصنیفی سرگرمیوں کا عملی اعتبار سے باقاعدہ آغاز کردیا گیا ۔

دارالمصنفین کے اصل اور بنیادی اغراض و مقاصد صرف تین تھے ۔

۱ ۔ ملک میں اعلیٰ پائے کے مصنفین اور اہلِ قلم پیدا کرنا ۔

۲ ۔ اونچے درجے کی کتابیں معرضِ تصنیف میں لانا اور بہترین کتابوں کا ترجمہ کرنا ۔

۳ ۔ علمی و تحقیقی اور تاریخی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرنا ۔

نہایت معمولی سرمائے سے کام شروع ہوا ۔ رفقائے دارالمصنفین کے لیے چھوٹے چھوٹے سکونتی مکان بھی اِسی احاطے میں تعمیر کیے گئے اور رفقا کے کام کے لیے کمرے بھی وہیں بنائے گئے ، تاکہ لکھنے پڑھنے والوں کا ہر وقت آپس میں رابطہ رہے ۔ پھر آہستہ آہستہ بہت اچھا کتب خانہ بھی قائم کر لیا گیا ۔ اللہ نے اِس کارِ خیر میں جس کا بنیادی سرمایہ محض دلوں کا خلوص اور اللہ پر توکل تھا ، اتنی ترقی دی کہ یہ بہت جلد نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں مشہور ہوگیا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالمصنفین کی تصنیفات کا سلسلہ بڑا وسیع ہے اور اس کی مطبوعات ہر اہم اور لائقِ التفات موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہیں - مقامات قرآن ، سیرت رسول ، سیرتِ صحابہ و صحابیات ، حالاتِ تابعین ، سوانح مشاہیر اسلام ، ادبیات ، تاریخ اسلام ، تاریخ علوم و فنون ، تاریخ و تمدنِ ممالک اسلامی ، تاریخ ہندو تاریخ برصغیر ، فلسفہ - غرض ہر موضوع پر رفقائے دارالمصنفین نے کام کیا اور تصنیف و تالیف اور ترجمہ و تشریح کی ایسی روایت قائم کی ، جس کی اس سے قبل برصغیر کی علمی تاریخ میں مثال نہیں ملتی - کیفیت و کمیت کے اعتبار سے دارالمصنفین کی مطبوعات کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی -

دارالمصنفین کے تذکرے میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اس کے کارکنوں کی تین قسمیں ہیں -

۱ - رفقائے اعزازی :-

یہ وہ ممتاز اہل قلم اور معروف اربابِ علم ہیں جو دارالمصنفین کو اپنے علمی مشوروں اور قلمی تعاون سے مستفید کرتے ہیں -

۲ - رفیق :-

وہ حضرات جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد ، تصنیف و تالیف کا فن سیکھنے کا شوق رکھتے ہیں اور اس کے لئے دارالمصنفین میں مقیم ہیں -

۳ - مصنفین :-

وہ رفیق جو پانچ سال کی تصنیفی تربیت حاصل کرچکے ہیں -

مصنفین اور رفقا مستقل طور پر دارالمصنفین کے احاطے میں رہتے ہیں اور ان کی ضروریات کے مطابق ان کے ماہانہ وظائف مقرر ہیں - ایثار و قربانی اور بے لوث خدمت کا جذبہ دارالمصنفین کے کارکنوں کی اہم خصوصیت ہے - اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے ناظم سیّد سلیمان ندوی بتیس سال تک یہاں خدمات انجام دیتے رہے ، ان کا زیادہ سے زیادہ وظیفہ اڑھائی سو روپے ماہانہ تھا ۔

مولانا عبدالسلام ندوی چالیس برس دارالمصنفین سے وابستہ رہے اور متعدد تحقیقی کتابیں تصنیف کیں ، ان کا آخری دور کا وظیفہ ایک سو ستر روپے تھا ۔ گریڈ اور سکیل سے یہ لوگ واقف ہی نہیں ہیں ۔ یہ وہ مرض ہے جو تصنیف و تالیف اور علم و تحقیق کے جس ادارے میں راہ پالیتا ہے ، اس کے ارکان کی قوتِ عمل کو مجروح کر کے رکھ دیتا ہے۔ بے شک ضروریات ہر شخص کے ساتھ ہیں اور تصنیفی اداروں کے اربابِ انتظام کو اس طرف پوری توجہ مبذول رکھنی چاہیے اور کام کرنے والوں کی حالات و ضروریات کے مطابق خدمت کرنی چاہیے۔ لیکن یہ کہ اصل نقطۂ نظر گریڈ کو بنالیا جائے اور مرکز توجہ سکیل ہی کو قرار دے لیا جائے ، اہل علم کو زیب نہیں دیتا ۔ اہل علم کا شیوہ کام کرنا ہے ، گریڈوں کے چکر میں پڑنا ان کا شیوہ نہیں ۔ یہی وہ جذبۂ صادقہ ہے ، جو دارالمصنفین کی شہرت و مقبولیت کا باعث بنا اور جس کی وجہ سے وہاں قابلِ قدر تحقیقی و تصنیفی کام ہوا ۔

تصنیفات کے علاوہ دارالمصنفین کا ماہنامہ رسالہ " معارف " اپنا ایک مستقل مقام رکھتا ہے ، جس کے مضامین و مندرجات کو حلقۂ اربابِ تحقیق میں خاص اہمیت حاصل ہے ۔ یہ رسالہ رمضان ۱۳۳۳ ہجری (جولائی ۱۹۱۶ء) کو سیّد سلیمان ندوی کی ادارت میں جاری ہوا تھا ، اللہ کے فضل سے اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے ۔

سیّد سلیمان ندوی ، شاہ معین الدین احمد ندوی ، مولانا مسعود علی ندوی ، مولانا سعید انصاری ، سید ریاست علی ندوی ، حاجی معین الدین ندوی ، ابوظفر ندوی ، مولانا عبدالسلام ندوی اور بہت سے حضرات اہلِ علم نے دارالمصنفین میں بے پناہ تصنیفی خدمات انجام دیں اور کتنے ہی بزرگوں نے اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کر دیں ۔ ان کی حیاتِ مستعار کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ دارالمصنفین کی امانت تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے سوچ بچار کا ہر گوشہ، فکر و دھن کا تمام تر اثاثہ اور عمل و حرکت کا ہر پہلو دار المصنفین کی نذر تھا ۔

ان لائق تکریم حضرات کی فہرست میں سید صباح الدین عبدالرحمن کا اسم گرامی بھی شامل ھے جو ۱۹۳۵ء میں دار المصنفین سے وابستہ ہوئے اور زندگی کے آخری لمحے تک اس سے وابستہ رہے ۔ انھوں نے اس کی ترقی کے لیے بعض اعتبارات سے سب سے زیادہ محنت اور تگ و دو کی ۔

سید صباح الدین عبدالرحمن صوبہ بہار کے ایک قصبے دیسنہ میں ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے ۔ سید سلیمان ندوی کا وطنی تعلق بھی اسی قصبے سے تھا ۔ ابتدائی تعلیم دیسنہ کے قدیم مکتب میں حاصل کی ۔ ۱۹۲۵ء میں میٹرک پاس کیا ۔ ۱۹۲۷ء میں مظفر پور سے ایف ۔ اے کرنے کے بعد پٹنہ گئے اور ۱۹۲۹ء میں پٹنہ کالج سے بی ۔ اے پاس کیا ۔ بعد ازاں مدرسہ شمس الہدیٰ میں داخل ہوئے ، لیکن اسی اثنا میں بیمار ہو گئے اور کافی عرصہ بیمار رہے ، جس کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ رک گیا اور واپس دیسنہ چلے گئے ۔ صحت یاب ہونے کے بعد علی گڑھ کا عزم کیا اور مسلم یونیورسٹی سے بی ، ٹی کی سند حاصل کی ۔

ان کی تعلیمی حالت اور ذہنی و فکری استعداد سے متاثر ہو کر ۱۹۳۵ء میں سید سلیمان ندوی جو اس زمانے میں دار المصنفین کے ناظم تھے ، انھیں دار المصنفین اعظم گڑھ لے گئے اور ان کو رفقائے دار المصنفین میں شامل کر لیا گیا ۔ اسی دوران (۱۹۳۶ء) میں انھوں نے پٹنہ یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور ۱۹۳۷ء میں ایم ۔ اے فارسی کے امتحانات پاس کئے ۔

علمی و تصنیفی زندگی کا آغاز دار المصنفین میں سید سلیمان ندوی کی زیر نگرانی اور زیر تربیت ہوا ۔ پھر جلد ھی ایک محقق اور انشا پرداز کی حیثیت سے مشہور ہو گئے ۔ ادب اور تاریخ ان کا خاص موضوع تھا ، اس میں انھوں نے بہت کام کیا اور جو کچھ لکھا پوری تحقیق سے لکھا ۔ دار المصنفین کے انتظامی اور مالیاتی امور کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی "معارف" کی ادارت اور اس کی ترتیب و تدوین کے ذمے دار بھی یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے ـ پھر تصنیفی خدمات بھی انجام دیتے تھے اور مختلف مقامات میں سلسلۂ سفر بھی جاری رہتا تھا ـ بلا شبہ وہ بہت سی صلاحیتوں کے مالک تھے اور اللہ نے ان کو بےشمار خوبیوں سے نوازا تھا ـ

انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں ، جن کے باقاعدہ حوالے دیے جاتے ہیں ـ ان کتابوں میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں ـ

بزم صوفیہ ـ بزم تیموریہ ـ بزم مملوکیہ ـ اسلام میں مذہبی رواداری ـ عہد مغلیہ مسلمان اور ہندو مورخین کی نظر میں ـ ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں ـ غالب ، مدح و قدح کی روشنی میں ـ ہندوستان کے سلاطین ـ علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ـ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ـ ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک ـ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ـ ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری ـ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے ـ مقالات سید سلیمان ندوی ـ سید سلیمان ندوی کی تصانیف (ایک مطالعہ)ـ امیر خسرو دہلوی : حیات اور شاعری (ایک تنقیدی جائزہ) اور دیگر تصانیف ـ

سید صباح الدین عبدالرحمن اس دنیا سے رخصت ہوچکے، اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے،لیکن تصنیف وتالیف ، علم و تحقیق اور ادب و صحافت کی صورت میں انھوں نے اپنا جو ورثہ چھوڑا ہے وہ صفحاتِ قرطاس پر ہمیشہ نقش رہے گا اور ان کی خدماتِ بوقلموں رہتی دنیا تک لوگوں کے لئے سرمایۂ تحقیق ثابت ہوتی رہیں گی ـ

سید صباح الدین عبدالرحمن کو میں نے پہلی مرتبہ ۱۹۶۹ء میں دیکھا ـ اس زمانے میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام تھے ـ اپریل کے پہلے ہفتے کی کوئی تاریخ تھی کہ اکرام صاحب نے رفقائے ادارہ کو اپنے کمرے میں بلایا ـ مولانا محمد حنیف ندوی ، مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی ، شاہد حسین رزاقی اور ان سطور کا راقم گئے تو اکرام صاحب اپنی سیٹ سے اٹھے اور ان کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ایک اور صاحب کھڑے ہوئے ۔ اکرام صاحب نے ان کی طرف اشارہ کر کے رفقائے ادارہ سے کہا : سیّد صباح الدین عبدالرحمن ـــــ ! پھر باری باری سب رفقائے ادارہ کا ان سے تعارف کرایا گیا ۔ وہ سر پر رام پوری ٹوپی لیے اور سفید پاجامہ اور شیروانی پہنے ہوئے تھے ۔ نکلتا ہوا قد ، گورا رنگ اور تیکھے نقوش ـــــ ! انھوں نے انکسار اور تواضع کے لہجے میں سب سے خیر خیریت پوچھی ۔

۱۹۶۹ء تک چھپی ہوئی میں نے ان کی تقریباً تمام کتابیں پڑھ ڈالی تھیں اور " معارف " کا بھی ایک عرصے سے قاری تھا ۔ ان کے قلم کا زور ، تحریر میں ادبیت کی چاشنی زیرِ بحث موضوع کے بارے میں مدلل گفتگو اور صاف ستھرا اسلوبِ بیان ، اپنے اندر بڑی کشش رکھتا اور قلب و ذہن پر خاص قسم کا اثر ڈالتا ہے ۔ برصغیر کی اسلامی تاریخ ان کا خاص موضوع تھا ۔ اس موضوع سے میں بھی تھوڑی بہت دلچسپی رکھتا ہوں ۔ انھیں دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی اور ان کی باتیں نہایت غور سے سنتا رہا ۔ وہ چند روز پیشتر مشرقی پاکستان گئے تھے اور بعض ناگفتہ بہ وجوہ کی بنا پر وہاں علیحدگی کی تحریک چل رہی تھی ، جس کے زہریلے اثرات وہاں کے ہر مقام میں تیزی سے پھیل رہے تھے ۔ سیّد صاحب ممدوح یہ اثرات و حالات وہاں بچشمِ خود دیکھ کر آئے تھے اور اس صورتِ حال سے جو وہاں پیدا ہوگئی تھی ، بدرجۂ غایت آزردہ خاطر تھے ۔ انھوں نے بتایا کہ بعض مقامات میں انھیں مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا اور ایک دو مرتبہ بڑے تکلیف دہ معاملات پیش آئے ۔ وہ کچھ دن وہاں رہنا چاہتے تھے ، لیکن خطرناک حالات کے پیش نظر مزید قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے چلے آئے ۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کے تمام رفقا اور اس کے ڈائریکٹر شیخ اکرام صاحب بہت اعزاز کے ساتھ ان سے پیش آئے ۔ اکٹھے چائے پی اور مختلف معاملات پر گفتگو جاری رہی ۔ انھوں نے افسوس کے ساتھ کہا کہ تقسیم کے بعد دارالمصنفین کی مطبوعات کی مانگ ہندوستان میں صرف پچیس فی صد رہ گئی ہے ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب کہ پاکستان میں ان کی مانگ پچھتر فی صد ہے ، لیکن یہاں کے بعض ناشر ناجائز طور پر اور ہمیں اطلاع دیے بغیر ہماری کتابیں چھاپ رہے ہیں ۔ وہ چاہتے تھے ، اس سلسلے میں اکرام صاحب اگر ان کی کچھ مدد کرسکتے ہوں تو کریں ۔

اس ضمن میں سیّد صاحب ممدوح کی تگ و دو مسلسل جاری رہی اور وہ ہر اس شخص سے ملے ، جس سے مدد کی کوئی امید ہوسکتی تھی ، چنانچہ ان کی بھاگ دوڑ کا یہ نتیجہ نکلا کہ نیشنل بک فاؤنڈیشن اور دارالمصنفین کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا کہ دارالمصنفین کی ایک سو پندرہ مطبوعات نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان میں شائع کرے گا اور ان کے حقوق طباعت کے حصول کا معاوضہ پندرہ لاکھ روپے دارالمصنفین کو ادا کیا جائے گا ۔ ۳۰ ، اگست ۱۹۷۶ء کو اس معاہدے کی باقاعدہ تقریب نیشنل بک فاؤنڈیشن کے کراچی آفس میں منعقد ہوئی ، جس پر سیّد صباح الدین عبدالرحمن نے دارالمصنفین کے ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے دستخط کیے ۔

پہلے عرض کرچکا ہوں کہ سیّد صباح الدین عبدالرحمن کو میں نے پہلی مرتبہ ۱۹۶۹ء میں دیکھا ۔ اس زمانے میں مَیں محمد بن اسحاق ابن ندیم ورّاق کی کتاب " الفہرست " کا ترجمہ کر چکا تھا جو ضروری حواشی اور اشاریے سمیت تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور مصنف کی وفات (۳۹۰ ھ) تک کے علوم و فنون ، تصنیفات و تالیفات اور مصنفین و مؤلفین کے سلسلے میں بنیادی ماخذ و حوالے کی حیثیت رکھتی ہے ۔ یہ ترجمہ کتابت کے مرحلے سے نکل کر طباعت کی منزل میں داخل ہوچکا تھا ۔ اکرام صاحب کسی اہلِ علم سے میرا تعارف کراتے وقت الفہرست کے ترجمے کا ذکر ضرور کرتے تھے ۔ سیّد صباح الدین عبدالرحمن سے بھی اس کا ذکر کیا اور وہ ازراہِ نوازش اس سے بہت خوش ہوئے ۔

سیّد صباح الدین عبدالرحمن صاحب کے میزبان بھی ان کے ساتھ تھے جو ان کے قریبی عزیزوں میں سے تھے اور ملتان روڈ پر چوبرجی کوارٹرز لاہور (مرحوم امیر) میں سکونت پذیر تھے ۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر کھانے یا چائے کیلئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غریب خانے پر تشریف لے جانے کی زحمت گوارا فرما سکیں تو شکر گزار ہوں گا ۔ فرمایا بہت مصروف ہوں ، مختلف حضرات سے ملاقاتوں کا پروگرام کچھ اس قسم کا ہے کہ وقت نکالنا ممکن نہیں ـــــ البتہ تم آج رات آٹھ بجے میرے پاس آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ ۔ چند منٹ کی پہلی ملاقات ہی میں اس عاجز کو اس اعزاز کا مستحق گردانا ، ان کی مہربانی تھی ۔ میں وقتِ مقررہ پر پہنچا ۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا اور بہت سی باتیں سننے کا شرف حاصل ہوا ۔

انھوں نے بتایا کہ اعظم گڑھ شہر اور گردو نواح کے لوگ دار المصنفین کے ارکان و رفقا کا بہت احترام کرتے ہیں اور ان کے علم و تحقیق میں منہمک رہنے کی بنا پر انھیں ہندو لوگ " علمی بھکشو " کہتے ہیں ۔

واپس جا کر " معارف " کی کئی قسطوں میں پاکستان کا سفر نامہ تحریر فرمایا تو ادارہ ثقافت اسلامیہ اور اس کے رفقا کا تذکرہ بڑی فراخ حوصلگی سے بہترین اسلوب میں کیا ۔ " الفہرست " کے ترجمے اور حواشی وغیرہ کا ذکر بھی فرمایا ۔ بعض معاملات میں میری ان سے خط و کتابت بھی رہی اور ان کے چند خطوط میرے پاس محفوظ ہیں ۔

اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں پاکستان آئے تو دو مرتبہ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تشریف لائے اب بھی سفر پاکستان کی تفصیلات " معارف " میں شائع ہوئیں ۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے اس وقت تک ادارے میں جو کام کیا تھا ، اس کی تفصیل اور نوعیت بیان کی اور پھر ان کے دور طالب علمی کے بارے میں لکھا کہ دار العلوم ندوۃ العلما (لکھنؤ) کے ریکارڈ میں ان کے زمانۂ طالب علمی کا ذکر بہت عمدہ الفاظ میں مرقوم ہے ۔ لکھا ہے کہ پنجاب کے شہر گوجرانوالہ سے تعلق رکھنے والا محمد حنیف بہت ذہین اور لائق طالب علم ہے ۔ عربی ادبیات میں اس طالب علم کو خاص طور سے دلچسپی ہے اور دار العلوم ندوۃ العلما کے تمام طلبا پر عربی ادبیات میں اسے فوقیت حاصل ہے ۔ یہ ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کی تحریر ہے ۔

© rasailojaraid.com

سید صباح الدین عبدالرحمن کو اللہ نے بے شمار خوبیوں

© rasailojaraid.com

سے نوازا تھا اور مختلف موضوعات سے متعلق تحقیق و تدقیق میں ان کا مقام بہت بلند تھا ۔ وہ علامہ سیّد سلیمان ندوی کے قریبی عزیز اور تربیت یافتہ تھے ۔

وہ ۱۰ ، نومبر ۱۹۸۷ء کو اپنے مسکن دارالمصنفین اعظم گڑھ سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہوئے ۔ کئی دن مختلف علمی کاموں اور میٹنگوں میں مشغول رہے ۔ ۱۸ ، نومبر کی دوپہر کو اپنے ایک رفیق سیّد شہاب الدین دسنوی کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلما سے بذریعہ رکشہ لکھنؤ کی قدیم ترین درس گاہ فرنگی محل جا رہے تھے کہ ڈالی گنج کے پُل پر پہنچے تو اچانک رکشہ ایک آوارہ گائے سے ٹکرا گیا اور وہ رکشے سے نیچے گر پڑے ۔ سر اور دماغ میں اتنی شدیدچوٹ آئی کہ بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں ہسپتال پہنچادیے گئے ۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی ان کی دنیوی زندگی کا خاتمہ ہوگیا اور وہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے ۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

اسی وقت اس سانحہ کی اطلاع ٹیلیفون سے ان کے گھر دارالمصنفین (اعظم گڑھ) پہنچا دی گئی ۔ ڈھائی بجے دوپہرہندوستان ریڈیو (لکھنؤ) سے ان کی وفات کی خبر نشرہوئی جس سے علمی حلقوں میں ایک کہرام بپا ہوگیا ۔

ہسپتال سے ان کی میت دارالعلوم ندوۃ العلما میں لے جائی گئی ، جہاں شام کے وقت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بے شمار لوگوں نے اس میں شرکت کی ۔ اس کے بعد ندوۃ العلما کے اساتذہ و طلبا میت کو ٹرک میں رکھ کر لکھنؤ سے اعظم گڑھ کو روانہ ہوئے اور طلوع فجر سے پہلے چار بجے کے قریب وہاں پہنچے ۔ ۱۹،نومبر کو ساڑھے نو بجے صُبح دارالمصنفین میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی گئی ، جس میں اعظم گڑھ شہر اور قرب و جوار کے ہزاروں مسلمان شریک ہوئے ۔ اس موقع پر ہندو بھی کثیر تعداد میں موجود تھے ۔ دس بجے صُبح ان کی وصیت کے مطابق علامہ شبلی کے پہلو میں انھیں سپرد خاک کر دیا گیا ۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی بھی ۱۸ ، نومبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو فوت ہوئے تھے۔

اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم و عافھم واعف عنھم
وادخلھم جنت الفردوس

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com